Dr. Muhammad Arif Kaleem
Chairperson, Dept. of Urdu, Dayal Singh College,
Lahore

ڈاکٹر محمد عارف کلیم
صدر شعبہ اردو، دیال سنگھ کالج، لاہور

عبدالحلیم شرر کی کردار نگاری (فردوس بریں کے آئینے میں)

Characterization of Abdul Haleem Sharar (in the light of "Firdous e Baren")

Abstract: Abdul Haleem Sharer is a prominent a prolific historical novelist of Urdu language. In his novels he wrote about past glory of Muslims and extolled virtues like courage, bravery magnanimity and religious fervor through his characterization.

Firdaus-e- Breen is one of the best historical novels of Urdu language. The magical pen of Sharer not only portrays a mystical and fascinating world but also depicts his mastery of characterization. The creation of a character like Ali Wajoodi amounts to a milestone in the world of Urdu fiction. The action and dynamism of different characters, an unravelling of their psychological complexities and their lively behaviors impart a special and unique status of this novel.

Key Words: mystical, fiction, psychological, complexities, historic

افسانوی ادب میں کردار نگاری بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ ناول ہو یا افسانہ، داستان ہو یا ڈراما، مصنف کرداروں کے ذریعے ہی کہانی کی تعمیر و تشکیل کرتا ہے۔ اعلیٰ درجے کی کردار نگاری میں مصنف کا مشاہدہ، تجربہ اور انسانی نفسیات سے کماحقہ، آگاہی اساسی نوعیت کے عناصر ہیں۔ کوئی ناول نگار ان عناصر میں جتنا ماہر ہو گا اتنے ہی اعلیٰ درجے کے کردار تخلیق کے سانچے میں ڈھل کر وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ماما عظمت، ہریالی، مرزا ظاہر دار بیگ اور خوجی جیسے زندہ جاوید کردار شرر کے سامنے تھے۔ ان کرداروں کی تعمیر میں مصنفین کے مشاہدے اور انسانی نفسیات سے آگہی نے بنیادی کردار ادا کیا۔ نذیر اور سرشار نے اپنے کرداروں کو عہد میں اپنے سامنے بلکہ اپنے ساتھ زندگی برتنے اور گزارتے دیکھا تھا لہٰذا ان کرداروں میں تجربے اور مشاہدے کی حرارت سے زندگی کے حقائق اپنی تمام تر رعنایوں اور زاویوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ شرر کو کردار نگاری کے حوالے سے یہ سہولت میسر نہیں تھی۔ کیونکہ وہ اس عہد کے کردار سامنے لاتے ہیں جو ان کے زمانے سے بہت پہلے گزر چکا تھا۔ شرر نے اس عہد کے واقعات کو چند کرداروں کے انتہائی محدود شخصی اور ذاتی زاویوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ لہٰذا ان کی کردار نگاری میں تخلیق آفرینی کے عنصر کا در آنا فطری امر تھا۔ شرر کی کردار نگاری کے حوالے سے جو شکایات ہیں وہ ہر تاریخی ناول نگار کے کرداروں میں موجود ہیں۔ بے شک شرر کے تمام ہیرو ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں۔

"فطرت انسانی سے ناواقفیت ان کی کمزوری ہے،، (۱)

"ان کے تمام کردار یک طرفہ ہیں؛"(۲)

"ہیرو ہیروئن کے حوالے سے بہت سی باتیں وہ پہلے ہی سے طے کر کے بیٹھے ہوتے ہیں"(۳)

فی الاصل بات یہ ہے کہ تاریخی ناول نگار کے لیے حقیقی کردار نگاری مشکل امر ہے۔ وہ ماضی کے عہد اور کردار کو تخلیق کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جیسے عہد کے ایک جیسے واقعات کے کردار بھی ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں۔ گویا یہ شکایات کسی ناول نگار کی فنی کجی نہیں بلکہ عین فطرت ہے۔

شرر کی تاریخی ناول نگاری کی ایک سے زائد وجوہ ہیں۔ محض سر والٹر سکاٹ کے ناول "طلسمان" میں اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیات کی بے حرمتی اور مسخ کرنا نہیں۔ ۱۹۵۷ کے بعد جب مسلمان اپنی رہی سہی آبرو بھی گنوا چکے تھے اور انگریزی علم داری ٹھوس بنیادوں پر استوار ہو چکی تھی تو بطور خاص مسلمان اور بالعموم ہندوستانیوں کی تبدیلی مذہب پر وار کرنے کے لیے یورپ اور امریکہ سے عیسائی مشنریز کی فوج ظفر موج نے پورے ہندوستان پر اپنے حملے شروع کر دیے۔ عیسائی پادری کسی چوک پر کھڑے ہو جاتے اور عیسائیت کی حقانیت اور دیگر مذاہب پر کذب و افترا کے فتوے صادر کرتے۔ انگریز حکمرانوں اور یورپ امریکہ کی حکومتوں کی بھرپور مالی و سیاسی اعانت سے ہندوستانی عوام کے عقائد و نظریات پر کاری ضرب لگانے لگے۔ اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے عسیائیت کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال ہونے لگے، علاوہ ازیں ہندو ناول نگاروں نے مسلمان فاتحین اور مسلمانوں کو ہندوں کا دشمن دکھا کر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ چیٹر جی کے ناولوں نے گویا آگ لگا دی۔ اس ماحول میں جب سر والٹر سکاٹ کا تاریخی ناول "طلسمان" شرر کے زیر مطالعہ ہوا تو اسلامی جوش و جذبے نے شرر کو قصہ کاری کی ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔ معاشرتی و سماجی ناولوں کی نسبت جب پہلے تاریخی ناول "ملک العزیز ورجینا" کو بے پناہ پزیرائی ملی تو گویا شرر سنجیدگی سے اس طرف مائل ہو گئے۔

مشرق و مغرب کے وہ نقاد جنھوں نے تاریخی ناول نگاری پر لکھا، سب اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ تاریخی ناول نگاری کی چنداں ضرورت نہیں۔۔ کوئی ناول نگار، کردار نگاری کی کوشش بھی کرے تو شاید کامیاب نہ ہو کیونکہ کوئی تاریخی ناول نگار اس فن میں زیادہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری تاریخی ناول نگاری کے نامور مغربی نقادوں شیپرڈ، رال، فاکس اور ہل ہاوس کے نظریات کا تجزیہ کرتے ہوے لکھتے ہیں:

"تاریخی ناول نگار کے کردار ہمیشہ دو خطرات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ تاریخی ناول نگار کے لیے ایک راستہ تو یہ ہے کہ وہ تخیل سے کام نہ لے اور تاریخی کرداروں کو اپنے عہد کے افسانوں کی خصوصیات عطا کر دے اس صورت میں ان قاری کے لیے جاذبیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ناول نگار اپنی قوت تخیل سے کام لے کر ان میں ایسی رنگ آمیزی کر دے کہ وہ موجودہ انسانوں سے مختلف دکھائی دیں اور اس صورت میں کردار صرف ناول نگار کے چند خیالات کی علامت بن کر رہ جاتے ہیں عام تاریخ ناول نگاروں کی طرح شرر بھی انہی دو خطرات سے دوچار رہے"(۴)

عبد الحلیم شرر کا معرکتہ الآرا ناول "فردوس بریں" ۱۸۹۹ میں شائع ہوا۔ یہ اردو کے افسانوی ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسے اردو کے تاریخی ناولوں میں بہترین ناول قرار دیں تو کسی پہلو سے بھی غلط نہ ہو گا۔ اس ناول کا موضوع اسماعیلیہ فرقہ کی ذیلی شاخ فرقہ باطنیہ کے عقائد و اعمال اور وہ طوفان بلا خیز و فتنہ حشر ساماں ہے۔ جس کی بربریت، شر انگیزی اور فتنہ پردازی نے ایک عالم کو وحشت و دہشت میں مبتلا رکھا۔ اس فتنے کی بنیاد پانچویں صدی ہجری میں حسن بن صباح نے رکھی اور کوہ البرز کے پہاڑوں میں گھرا ایک انتہائی مضبوط، مستحکم اور تقریبا ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ حسن بن

صباح نے وہاں ایک مصنوعی جنت بنائی جہاں لوگوں کو حشیش کے نشے میں بے ہوش کر کے لایا جاتا اور وہ اس مصنوعی جنت کو اصلی جنت سمجھ کر ان لوگوں پر ایسا ایمان لاتے کہ ان کے حکم کو بجالانے میں کوئی مشکل نہ ہوتی۔ تاہم اس ناول میں اس دہشت گرد تحریک کے آخری دور کو بیان کیا گیا ہے۔ جو ۶۵۴ میں اس فتنے کے خاتمے پر منتج ہوا۔

فردوس بریں کے اہم کرداروں میں حسین، زمرد، سیخ علی وجودی، کاظم جنوبی، خورشاہ، طور معنی، بلغان خاتون اور ہلاکو خان ہیں۔ حسین کا کردار مرکزی نوعیت کا ہے اور اسے فردوس بریں کا ہیرو کہا جاسکتا ہے۔ شہر عامل کا یہ نوجوان تعلیم یافتہ، باشعور اور وضع داری کی صفات سے مزین ہے۔ شرر کے ہیرو کی طرح خوش شکل و خوش جمال ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر اور جانباز بھی ہے۔ تاہم اس کی دلاوری میں جذباتیت سے زیادہ احتیاط کارویہ کارفرما ہے۔ حسین کے کردار کا یہ وہ پہلو ہے جو ہر اس میر کارواں میں ہونا چاہیے جو مشکلات اور ناگہانی صورت حال کا سامنا کر رہا ہو۔ کوہ البرز کی وادیوں سے گزرتے ہوئے جب اچانک زمرد اسے وحشت ناک گھاٹی میں داخل ہونے پر اصرار کرتی ہے تو وہ اسے آنے والے جان لیوا خطرات سے خبر دار کرتے ہوئے اس طرف جانے سے منع کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے آگے پریوں کا نشیمن ہے جہاں داخل ہونے کا مطلب موت کی وادی میں اترنا ہے۔ حسین کا یہ طرز عمل اس کی بزدلی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ میر کارواں ہونے کے سبب احتیاط اور پاسبانی کا عکاس ہے۔ حسین زمرد کے عشق میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ زمرد اس کے لیے بمنزلہ زندگی ہے۔ اس کے جینے کا واحد سبب ہے۔ اسے زمرد کی زندگی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ لہٰذا اس مرحلے پر حسین کا احتیاط کا دامن تھامتے ہوئے پریوں کے نشیمن سے دور رہنے پر اصرار اس کی بزدلی ہرگز نہیں۔ اگر وہ بزدل ہوتا تو پریوں کے ہاتھوں زمرد کے قتل اور اس کی قبر دیکھ کر بھاگ نکلتا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حسین نے اس قبر کا مجاور بن کر اس دہشت و وحشت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے پر اسرار ماحول میں بقیہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اس کے عشق اور مجذوبیت کی صداقت کے ساتھ ساتھ جرات رندانہ کی دلیل ہے۔ حسین کا کردار متحرک، فعال اور ارتقا کے زندگی بخش ذائقے سے آشنا ہے۔ وہ کٹھ پتلی یا ڈھلا ڈھلایا کردار نہیں۔ اس کا وجود سراپا عشق ہے۔ اس کی روح جذب و مستی کی کیفیات سے تشکیل پذیر ہوئی۔ زمرد کا عشق اس کے ہر بن مو سے مترشح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس عشق کے ہاتھوں حسین کٹھ پتلی کی طرح رقصاں رہا تو غلط نہ ہو گا۔ اس کا کردار مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ بدلتے حالات و زماں کے ساتھ وہ خود کو ہم آہنگ کرنے کے لیے ظاہری و باطنی اعتبار سے مسلسل برسرپیکار رہتا ہے۔ ایک موقع پر وہ محتاط رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو اگلے لمحے زمرد کا عشق اسے جرات رندانہ سے تقویت بخش کے ضروری احتیاط کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دینے کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ نرم مزاج اور رقیق القلب نوجوان ہے۔ پریوں کے ہاتھوں زمرد کی موت کا یقین کر لینے کے بعد اس کے جذبات و کیفیات اس کے عشق کی معصومیت اور صداقت کو اجاگر کرتے ہیں۔

> "زمرد! مرنا اپنے اختیار میں نہیں۔ خودکشی حرام ہے اور جینا بے سود، لیکن کب تک؟ مرنا
> برحق ہے--------- پھر اس کا انتظار اسی جگہ کیوں نہ کروں، زندگی کے ان باقی دنوں میں
> تیری قبر میری مونس و جلیس ہو گی اور تیرا خیال میرا باوفا معشوق۔"(۵)

خودسپردگی کے نشے میں غرق، دنیا و مافیا سے بے خبری، خود فراموشی اور عشق جاں گداز کی آگ نے حسین کے وجود اور ایمان و اعتقاد کے شجر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ مغلوب العشق نوجوان ہے اور اس کا رویہ اور رد عمل عین فطرت ہے کیونکہ وہ نو عمر اور نو آموز ہے۔ اگرچہ وہ امام زماں شیخ نجم الدین نیشاپوری کے حلقہ درس میں پانچ سال شامل ہو کر مذہبی و دینی تعلیم سے بہرہ مند ہوا لیکن اس کے اعتقاد کو فکر و عمل اور تجربہ و مشاہدہ کی پختگی

نے اپنے رنگ میں نہیں رنگا۔ چھ ماہ کی مجاوری کے بعد زمرد کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پا کر اس کی شخصیت کی نو عمری، نوجوانی اور ہڈیوں میں اتر جانے والے عشق کے پس منظر میں جس ردِ عمل کو شرر نے بیان کیا ہے وہ مصنوعی اور بناوٹی نہیں حقیقی لگتا ہے۔

> "میری روح تیرے عشق میں ذبح کیے ہوے ایک طائر کی طرح تڑپ رہی ہے اور اس ناری پنجرے سے نکلنے کے لیے پھڑکتی ہے۔ محبت والی نازنین! مجھے اور کہیں نہ بھیج بلکہ اپنے پاس بُلا۔"(۶)

زمرد کا دوسرا خط حسین کے فہم و ادراک اور اعتقادات کی گرتی دیوار کے لیے ایک اور دھکا ثابت ہوا۔ کیونکہ فردوس بریں میں رہتے ہوے بھی زمرد کو حسین کی محبت تڑپاتی ہے۔ یہ احساس حسین کی آتش عشق کو دوچند کر دیتا ہے۔ ان خطوں کے ذریعے حسین کی جن دکھتی رگوں کو چھیڑا جاتا ہے اس سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ مکتوب نگار انسانی نفسیات کے ان زاویوں سے کماحقہ آگاہ ہے جن کے ذریعے کسی بھی انسان اور خاص کر کے نو آموز اور ذجزباتی نوجوان کو ہپنٹائیز کیا جا سکے۔ فردوس بریں سے زمرد کے خطوط نے حسین کو گویا زندگی اور جینے کا بہانہ فراہم کر دیا۔ آرزوئے وصال نے حسین کو سرشار کر دیا۔ شیخ نجم الدین نیشاپوری کا بھتیجا، مرید اور شاگرد بے پناہ سرشاری میں ایسا بے خود ہوا کہ ایک لمحے کے لیے بھی فردوس بریں اور زمرد کے خطوط کو مذہبی، دینی عقائد اور عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھتا۔ فردوس بریں میں زمرد کی شرط وصال کی جان لیوا سختیوں کی کسی خاطر نہیں لاتا کیونکہ عشق زمرد میں ہوش و خرد کی حدود سے نکل کر مجنوں اور سودائی بن چکا ہے۔ اس جنون اور دیوانگی نے حسین کو نڈر، بے باک اور جرات رندانہ کا حامل بنا دیا ہے۔ کوئی پریشانی، اذیت اور تکلیف اس کی سدراہ نہیں ہوتی۔ زمرد کی ہدایات کے مطابق وہ صحراؤں، جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں، کھنڈروں میں تن تنہا گشت کرتا ہے۔ گاؤں گاؤں، شہر شہر کوچہ گردی کرتا ہے۔ وحشت ناک غاروں کی ہیبت اور بھیانک تاریکیوں کی دہشت اور ماحول کو خاطر میں نہیں لاتا۔ پاتال جیسے اندھیروں کے حامل تہ خانوں میں جلیل القدر پیغمبروں کے جنازوں کے بیچ چلہ کشی کرتا ہے۔

کیونکہ رگوں میں عشق دوڑتا ہے۔

> "اس مقام پر جانا بڑی جرات و ہمت کا کام تھا۔ ان انبیاے عظام کا رعب ساعت بہ ساعت دل پر غالب آتا جاتا تھا۔ پاوں کانپ رہے تھے اور دل دھڑک رہا تھا۔ تاہم زمرد کا شوق ان تمام دلی کمزوریوں پر غالب آیا۔"(۷)

عشق کی آگ نے حسین کو کندن بنا دیا ہے۔ جہاں گردی و دہشت نوردی نے اس کی شخصیت کی نو آموزی اور نو عمری کو تجربے، مشاہدے اور فہم و ادراک کی حرارت سے ٹھوس اور مستحکم پختگی بخشی۔ وہ نہ صرف پر اعتماد ہے بلکہ اپنا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کر چکا ہے۔ چہل کشی کی منزل کے بعد وہ حلب کی مسجد الثمانین میں شیخ شریف علی وجودی کی علمیت اور پر جلال ہیبت کا جواں مردی کا سامنا کرتے ہوے حواس پر قابو رکھتا ہے۔ شیخ علی وجودی سے عالم ارواح تک رہنمائی کی درخواست کرتا ہے تو وہ ہیبت ناک لہجے میں جواب دیتے ہوے کہتا ہے:

> "شیخ (جلال میں) اے بھر وجود اور دریاے وحدت کے ذلیل و ناپاک قطرے! تیرا کیا حوصلہ ہے کہ اس غیر موجود اور لاہوت غیر ممنون کے رموز سمجھ سکے۔ حسین: بے شک میری کوئی

ہستی نہیں۔ مگر جب آپ سے شناور بحر وحدت کا ہاتھ پکڑلوں گا تو کیا عجب کہ اس طوفان خیز
دریا سے پار ہو جاؤں۔(۸)

حسین کا کردار ہر موڑ اور ہر منزل پر ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ زمرد کے عشق نے جہاں اسے بے خود کیا ہوا ہے وہیں کوہ جودی کے غار اور شہر خلیل کے تہ خانوں کی چلہ کشی نے اس کی ذات کو استحکام بخشا۔ وہ دل اور دماغ دونوں کے استعمال میں طاق ہو چکا ہے۔ اپنی مسکینی، عاجزی اور خود سپردگی کے اظہار سے شیخ علی وجودی کے جلال کو اعتدال پر لاتا ہے۔ اس کی خدمت اور اطاعت سے فنافی الشیخ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ مجذوبیت اور سپردگی کی کیفیات نے اس کی ذات اور عقل وشعور پر غلبہ پالیا ہے۔ شیخ علی وجودی کی شخصیت، تبحر علمی، قوت استدلال، روحانی کمالات اور غیب دانی کے ناقابل تردید نتائج نے حسین کے مسلمہ عقائد و نظریات اور فہم دین وشریعت کی عمارت کو منہدم کر دیا۔ حسین بھلے ہی مغلوب العشق نوجوان ہے اور آرزوے وصال کی سرشاری و سرمستی نے اسے یک گونہ بے خودی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جس کا فائدہ اٹھاتے ہوے شیخ علی وجودی جادو بیانی اور سحر کاری سے اس کے عقاید پر کاری ضربیں لگاتا ہے۔ لیکن عالم زمان شیخ نجم الدین نیشاپوری کی پانچ سالہ تعلیم وتربیت نے اس کے عقاید کو اتنا خام بھی نہیں رکھا کہ وہ جاہلوں کی طرح شیخ وجودی کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہے۔ زمرد کے خطوط سے لے کر شیخ وجودی کی استدلال و تبلیغ عقاید نظریات تک اس کے ذہن میں برابر اشکال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ ذہنی طور پر مغلوب اور مرعوب ہونے کے باوجود بھی بے دست وپا ہو کر جینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ شیخ علی وجودی اپنی علمیت، زورِ استدلال، منطق، علم الکلام، فلسفہ، روایت و درایت سے مسلح ہو کر نوخیز، نوعمر اور نووارد حسین کو اپنے باطنی عقاید و نظریات کی بھول بھلیوں میں الجھا کر اپنی راہ پر لانا چاہتا ہے لیکن نجم الدین نیشاپوری کا بھتیجا مرید اور شاگرد حسین اتنی آسانی سے قایل ہونے کی ذات نہیں۔ مذہب باطنیہ کے اساسی عقیدے "ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ نتائج ہمیشہ باطن میں مخفی ہوتے ہیں" تعلیم کے دوران میں دونوں کا مکالمہ ملاحظہ کریں۔

"شیخ: خضر وموسی کے قصے میں اس لاہوت اکبر نے موسی کی تائید نہیں کی جو ظاہر
پرستی کر رہے تھے بلکہ خضر کے موافق فیصلہ کیا جو رموز باطنی راز اخفا کو سمجھ رہے
تھے------الحاصل اے حسین! تو خوب سمجھ لے ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور خدا
باطن کا طرف دار ہے۔ شیخ اور مرشد کی اطاعت آنکھیں بند کر کے اسی طرح کرنی چاہیے
جیسی اطاعت کی خواہش خضر نے موسی سے کی تھی۔
حسین (سینے پر ہاتھ رکھ کے) بے شک میں ایسی اطاعت کروں گا۔ مگر کیا معاصی
اور برے کاموں کے لیے بھی بے سمجھے ارتکاب کر لینا چاہیے؟
شیخ: (نہایت جلال کے ساتھ اور آنکھیں سرخ کر کے) کیا تجھے یہ گمان ہے کہ مرشد برے کام کا حکم دے گا؟

حسین (ڈر کے اور اخلاقی کمزوری کی شان سے) لیکن ممکن ہے کہ مرید اور عقیدت کیش کو وہ فعل گناہ نظر آتا ہو۔

شیخ: ہاں ممکن ہے مگر اس کا باطن گناہ نہیں اور نتائج صرف باطن پر مرتب ہوتے ہیں۔

حسین: مگر اس باطن پر جو مرتکب اور کرنے والے کے دل میں ہو۔ میں ایک فعل کا ارتکاب کروں تو اس کے نتائج اسی نیت پر مرتب ہوں گے جو میرے دل میں ہے۔ اگر مجھے اس کا باطنی رخ اچھا نہیں معلوم ہو گا تو خواہ مخواہ میری نیت بری ہو گی اور جب میری نیت بری ہو گی تو نتیجہ بھی اس نیت کے مطابق برا ہونا چاہیے۔

شیخ: جوش میں آ کے اور آنکھیں سرخ کر کے) تو کیا تیرے نزدیک شیخ کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے پہلے راز لاہوتی کے تسلیم کرنے سے تجھے انکار ہے؟

حسین (شیخ کے قدموں میں گر کر) ہرگز نہیں مگر میری باتیں محض اس لیے ہیں کہ

"لیطمن قلبی" خداوندوہ دن نہ لائے کہ میں شیخ کی نیت پر شبہ کروں۔"(۹)

حسین کی شخصیت کے اس پہلو کے تناظر میں ڈاکٹر ممتاز منگلوری لکھتے ہیں:

"شرر حسین کی انگلی پکڑ کی نہیں چلاتے بلکہ حالات کے ناپید اکنار سمندر میں انھوں نے اسے اکیلا چھوڑ رکھا ہے۔"(۱۰)

شرر کا یہ کردار تاریخی نہیں بلکہ خیالی اور غیر حقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ ناول کا ہیرو اور مرکزی کردار ہے۔ شرر کے ہنر مند قلم نے اسے تاریخی اور جیتا جاگتا کردار بنا دیا ہے۔ اسے افسانوی نہیں رہنے دیا۔ نہ جانے ڈاکٹر سلیم اختر کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ "تاریخی ناول کا مرکزی کردار حقیقی ہوتا ہے اور ناول نگار کے لیے یہ بڑی فنی الجھن ہوتی ہے کہ وہ حقیقی کردار کیسے افسانوی بنائے۔(۱۱)

حسین کا کردار انسانی فطرت کے حقیقی زاویوں سے تشکیل پذیر ہے۔ شرر نے اس کردار کی سیرت کشی میں انسانی نفسیات کی پیچیدگی کو کامیابی سے بے نقاب کیا ہے۔ حسین کی شخصیت پورے ناول میں تسلسل سے رنگ بدلتی رہتی ہے۔ اور یہ تبدیلی انسانی فطرت کے اصل زاویوں کے تناظر میں روبہ عمل ہوتی ہے۔ حسین شیخ علی وجودی کو نیک نفس اور حقیقت بین تصور کرتا ہے جو حسین کی ذاتی سرگزشت کے عین مطابق اور عین فطرت ہے۔ شیخ علی وجودی کی تعلیم و تربیت نے حسین کے باطن کو تبدیل کر رکھا ہے لیکن اس کے باوجود زمرد سے ملاقات کی پیشگی شرط کے طور پر اپنے چچا، مرشد اور استاد امام نجم الدین نیشاپوری کو قتل کرنے کا حکم سن کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ یہ حکم اس کے ہوش و خرد پر بجلی بن کر گرتا ہے۔ اس کا وجود تمام و اکمل لرز کے رہ جاتا ہے۔ یہ رد عمل ایک حقیقی اور جاگتے انسان کا عکاس ہے۔ کردار کی یہ حرارت، تازگی، فعالیت اور ارتقا پزیری کی خصوصیات نے حسین کو نہ صرف شرر بلکہ اُردو ناول کے کن کرداروں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ حسین، زمرد کے عشق میں غرق، فنا فی الشیخ اور مجذوب و مغلوب ہونے کے باوجود اپنے علم و فہم، ادراک اور شعور سے کام لیتا ہے۔ نجم الدین نیشاپوری کو قتل کرنے کے بعد اس کا رد عمل، پچھتاوا اور کرب اسے ہر زاویے سے زندگی سے بھرپو انسان بناتا ہے۔ وہ اس قبیح فعل کو علمی، معاشرتی، انسانی، دینی اور شرعی ہر حوالے سے ناجائز بلکہ ظلم تصور کرتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا

چاہیے کی حسین کٹھ پتلی، مثالی اور بے جان کردار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس احساس جرم اور احساس گناہ پر شیخ علی وجودی کی کرامات اور زمرد کا عشق خرد سوز غالب آجاتا ہے۔ حسین پورے ناول میں شعور سے زیادہ جذبہ و احساس کے تابع رہتا ہے۔ ذہنی پیچیدگیوں اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر فکر و عمل کے تضاد کا مرتکب ہوتا ہے۔ عام طور پر شرر کے کردار شرر کی داخلی کردار نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں جہاں مصنف ان کرداروں کی داخلی کشمکش، ذہنی الجھنوں اور شعور و لاشعور کے مسائل کو بے نقاب کیا ہے۔ شرر نے پہلی بار تحلیل نفسی کے ذریعے کسی کردار کے باطنی رویے کو ظاہری عمل کی نا موافقت کے آئینے میں دکھایا ہے۔ عالم بے خودی و خود فراموشی کے مکالمے حسین کے فکری شکست وریخت کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ شیخ نجم الدین نیشاپوری کو قتل کرنے کے بعد کی حسین کے فکری تضاد و انتشار کو ملاحظہ کریں:

"اس کے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے اور اپنا ظلم و گناہ یاد آیا جو ہر پہلو سے بار تھا۔

اس خیال کے دور کرنے کی برابر کوشش کرتا تھا مگر بار بار زبان سے ایک آہ کے ساتھ

یہ جملہ نکل ہی جاتا کہ میں بڑا گنہگار ہوں اور اس کا دل اور اس کا ایمان اس پر لعنت

کرتا---------وہ چونک چونک کر کہتا اس فعل کے ذمے دار شیخ علی وجودی ہیں--- شیخ

علی وجودی کی وہ ایسی ایسی کرامتیں دیکھ چکا تھا کہ ان پر بدگمانی نہیں کر سکتا۔"(۱۲)

شرر کے دیگر ہیروز کی طرح حسین اظہار تمنا میں اوچھے پن کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ بوالہوسی اور مریضانہ حسن پرستی سے مبرا ہے۔ وہ صرف ایک ہی محبوب کی زلفوں سے بندھا پوری زندگی گزار دینے کی مثال ہے۔ تبریز، اصفہان نصف جہان، بغداد اور حلب جیسے زندگی سے سرشار و معمور شہروں کی رنگینیاں بھی اسے زمرد سے غافل نہیں کر پاتیں۔ یہاں تک کہ فردوس بریں میں بھی اسے صرف زمرد کی طلب ہے۔ وہ فردوس بریں کہ جہاں اس کے ایمان کے مطابق ۷۲ حوروں کا ساتھ بھی جائز و روا ہے۔ اور اس کے چوطرفہ حسن ہوش ربا کی کثرت و فراوانی ہے اور ہر چیز اس کی رسائی میں ہے وہاں بھی زمرد کے علاوہ کسی کا حسن دل فریب اس زاہد عشق کے پائے استقلال میں ہلکی سی لرزش بھی پیدا نہیں کر پاتا۔ حسین سراپا عشق و جنون ہے۔ زمرد گویا اس کے وجود میں حلول کر چکی ہے۔ اس عشق جاں گداز میں حسین کی بے بسی، بے چارگی، مایوسی اور بے اختیاری کا سب سے دلآویز مگر جگر سوز لمحہ اس وقت سامنے آتا ہے۔ جب وصال یار کی تمنا میں ایک اور عالم امام نصر بن احد کو قتل کرنے کے بعد قلعہ الموت گیا جہاں اس کی حد سے زیادہ بے قراری کو گستاخی قرار دے کر فتنہ باطنیہ کے امام زماں رکن الدین خورشاہ نے اسے راندہ درگاہ کر دیا تو وہ زمرد کی قبر پر جانے کا فیصلہ کرتے ہوے خود کلامی کرتے ہوے کہتا ہے کہ "اگر دل کی الجھن زیادہ بڑھے گی تو اس حوروش کی قبر کو سینے سے لگالوں گا۔"(۱۳)

جانبازی اور سرفروشی حسین کی، خلقی صفات نہیں ارتقائی مراحل سے گزرنے سے وجوہ پذیر ہوئیں اس کے برعکس وہ احتیاط پسند شخص تھا جو اپنے دل کو عقل کی پاسبانی رکھنے کا موید ہے۔ یہ خود سپردگی، جفاکشی اور جاں کنی کی صفات کے ساتھ ساتھ عقیدت کیش مرید کی طرح بلا حیل و حجت اطاعت گزاری کا جوہر بھی زمرد کے عشق میں مجذوبیت کی دین ہے۔ تاریخی ناول نگار اس کردار کی سیرت کشی حقیقی رویوں کے سانچوں میں ڈھال کر کرتا ہے جو زمان و مکان کے اعتبار سے اس کے قریب ہو اور اس کردار کی تہذیب و تاریخ کو کماحقہ، جانتا ہوں۔ حسین زمان و مکاں کے اعتبار سے تو شرر کے

قریب نہیں تاہم حسین کی ذات کے جس پہلوؤں پر اس کردار کے تعمیر و تشکیل ہوی وہ عشق مجازی ہے اور شرر کا لکھنو اس زاویے سے بہت شاداب تھا۔ شرر نے تجربے اور مشاہدے کی حرارت سے حسین کو زندہ جاوید کردار میں ڈھال دیا۔

زمرد:

زمرد فردوس بریں کی ہیروین ہے۔ شرر نے ابتدا مختلف جملوں میں نو عمر نازنین و آفرین، دل ربا، حسن زاہد فریب، مہ وش، آفت روز گار، مہ جبین وغیرہ جیسے متفرق الفاظ میں زمرد کے حسن کی تصویر کشی کی ہے لیکن غالباشرر کے قلم سحر کار کو اس ادھورے تعارف سے تشفی نہیں ہوتی اور پھر وہ روایتی انداز میں اس مرکزی کردار کے حسن و جمال کی منظر کشی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ "مشتاق دلوں اور آرزو مند نگاہوں "یعنی عوامی طلب و تمنا کی تسکین و تسلی بھی کار ضروری ہے۔

"گول آفتابی چہرہ جیسا کہ عموماپہاڑی قوموں میں ہوتا ہے۔ ستے اور کھنچے ہوے سرخی
کی جھلک دینے والے گال، بڑی بڑی شرابی آنکھیں، لمبی نوک دار پلکیں، بلند مگر کسی
قدر پھیلی ہوئی ناک اور خم دار ہونٹ، باریک اور ذرا پھیلی ہوی باچھیں، چھوٹے سے
سانچے میں ڈھلی ہوئی نوک دار تھوڑی، شرمگیں اور معمولی جھکی نظروں کے ساتھ شوخ
اور بے چین چشم و ابرو اور اس تمام سامان حسن کے علاوہ تمام اعضاو جوارح کا غیر
معمولی تناسب ہر شخص کو بے تاب و بے قرار کر دینے کے لیے کافی ہیں۔"(۱۴)

فردوس بریں کے دیگر کرداروں کے برعکس اس کردار کی تعمیر و تشکیل میں قدرے تصنع اور نمود کا احساس در آیا ہے۔ جس کا تذکرہ آیندہ صفحات میں موجود ہے۔ خونی اور جذباتی رشتوں کی قدر دل و جان سے نباہنا، زمرد کی شخصیت کا اساسی پہلو ہے۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ خالص محبت کے رشتے سے بندھی ہوئی ہے۔ اس محبت نے اسے نڈر، بہادر اور بے باک بنادیا ہے۔ وہ پر عزم، پر اعتماد اور جلال شخصیت کی مالک ہے۔ راسخ لہجے اور مدلل گفتگو سے مخاطب کو قایل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنے والدین سے اجازت لیے بغیر اپنے منگیتر حسین کے ساتھ نہ تو تسکین عشق کے لیے گھر سے نکلی اور نہ ہی حج کی تمنا بنیادی سبب تھا۔ اس سفر کا بنیادی اور اساسی پہلو زمرد کی اپنے مرحوم بھائی موسی کی محبت ہے جس کے تحت وہ موسی کی قبر پر آنسو بہانے اور فاتح خوانی کی شدید تمنا پالے ہوئے تھی۔ اثنائے سفر وہ حسین سے کہتی ہے:

"حسین، سنو، میں تمہارے ساتھ نہ آتی۔ مانتی ہوں کہ تم شریف ہو اور اس زمانے
سے جب کہ ہم دونوں مکتب میں ایک ساتھ پڑھتے تھے، مجھے تم سے محبت ہے۔ مگر یہ

نہ سمجھو کہ ایک شریف لڑکی کو تم فقرہ دے کر نکال لائے ہو۔ میں خود شوق سے آئی

ہوں۔ فقط اتنی امید پر کہ بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کے آنسو بہاوں گی۔ جب یہ

مقصد پورا ہو لے تو حج کو چلوں گی۔"(۱۵)

حسین جب طویل ریاضت اور نجم الدین نیشاپوری کو قتل کر کے فردوس بریں میں زمرد سے ملا اس کی سادگی شوخ ادائی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ظاہری حسن اور شان و شوکت کے اعتبار سے گویا اس کی کایا کلپ ہو چکی تھی۔

"وہ ایک غیر معمولی مگر نہایت دل رباوضع سے بال کھولے اور زلفوں کو شانوں اور پیٹھ پر بکھیرے
کھڑی تھی۔"(۱۶)

فی الاصل زمرد کے خطوط اور فردوس بریں میں اس کی شخصیت کے جو زاویے دکھائی دیتے ہیں وہ حقیقی نہیں بلکہ بہ امر مجبوری ریاضت، مشقت اور تربیت کے مصنوعی سانچوں میں ڈھلے ہوے ہیں۔ قلعہ الموت کی فردوس بریں میں انتہائی نظم و ضبط کے اصولوں سے تشکیل پایا ہوا نظام کار فرما ہے۔ وہاں انسانیت کے بجائے نظم و ضوابط کی بجا آوری اہمیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلعہ الموت کا یہ ڈرامہ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک کامیابی سے چلا اور جب اندرونی نظام میں معمولی سا بھی رخنہ پڑا تو یہ سٹیج تباہی و بربادی سے دوچار ہو گیا۔ فردوس بریں کا ہر کردار جذبہ و احساس سے عاری ایک مشن ہے۔ ان کٹھ پتلی کرداروں کو جو حکم دیا جاے اس پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس "ملا، اعلی" کا کی کردار بھی اس نظم و ضبط پر بھی مبنی نظام معاشرت سے ماورا نہیں۔ یہاں تک کہ اس نظام کا خالق حسن بن صباح کو بھی کوئی رعایت نہیں۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اس نظام کی خلاف ورزی پر موت کے گھاٹے اتار دیا۔ لہذا ایسے سخت ماحول کو تشکیل دینے والے کردار مخصوص سانچوں اور قالبوں میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ اس سانچے سے سرمو انحرف ممکن نہیں۔ گویا قلعہ الموت اور فرقہ باطنیہ ایک مخصوص قالب تھا جس میں داخل ہونے والا ہر کردار اپنی حقیقی اور انفرادی شخصیت کو تحلیل کر کے اس قالب کے مطابق شخصیت کا حامل ہو جاتا۔ اس "ملا اعلی" کی زمرد بھی ایک ایسا ہی کٹھ پتلی اور ڈھلا ڈھلایا کردار ہے جسے حکم ملتا ہے کہ اسے تمام کمال بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ فردوس بریں کے محلات اور سبزہ زاروں میں حسین کے ساتھ زمرد کی راز و نیاز کی باتیں اور عشق کی گھاتیں بھلے بناوٹی اور مصنوعی نہ ہوں لیکن مخصوص تربیت کی آئینہ دار اور ایک طے شدہ سکرپٹ کا حصہ ضرور ہیں۔ زمرد کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرکت طے شدہ منصوبے کے تحت ہے اور کی نگاہوں کی نگرانی میں ہے۔ چنانچہ جب زمرد حسین کو بتاتی ہے کہ اسے زمین پر واپس جانا ہے تو وہ اصرار کرتا ہے کہ زمرد بھی اس کے عالم وارفتگی میں اس کو منہ سے نکلنے والے الفاظ اور اس کا ردِ عمل ملاحظہ فرمائیں:

"حسین اچھا اگر یہ نہیں تو تم میرے ساتھ چلو۔

زمرد: یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ میں اپنے بس میں ہوں۔

اتنا ہی لفظ زبان سے نکلا تھا کہ کانپنے لگی اور اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں

رہا۔ مگر جب کوئی نظر نہ آیا تو اطمینان سے آکر بیٹھ گئی۔"(۱۷)

زمرد کی ذات اور شخصیت دل آوری، جانبازی، سرفروشی اور جرات رندانہ کے خمیر سے تعمیر ہوئی ہے۔ اپنے بھائی کی قبر پر فاتحہ کی لے ایک غیر محرم کے ساتھ والدین کی اجازت کے بغیر حج کے نام پر نکلنا اور دہشت، خوف، وحشت اور موت کی گھاٹیوں میں آتے ہی بڑھے جانا اس کی ثابت قدمی اور اولو العزمی کو اجاگر کرتا ہے۔ فردوس بریں میں جہاں چوطرفہ نگرانی ہو رہی ہے وہاں بھی حسین سے اپنی بے بسی کا ذکر اور دوبارہ ملنے میں ناکامی کی صورت میں قبر پر بلانا اور پھر سب سے بڑھ کے خط کے ذریعے بلغان خاتون تک پہنچنے کی ہدایت اور قلعہ الموت کی بربادی میں رہنمای زمرد کے کردار کی فعالیت اور جانبازی کی آئینہ دار ہے۔ حسین سے اس کی محبت صداقت اور خلوص کے شوخ رنگوں سے مزین ہے۔ دو سال فردوس بریں میں رہنے کے بعد حسین سے عارضی وصال اس کی آتش شوق کو اور بڑھا دیتا ہے۔ حسین کے راندہ درگاہ ہونے کے بعد خط میں اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہے:

"حسین تو نے بڑی غلطی کی۔ امام قائم قیامت کی خدمت میں گستاخی! غنیمت ہے کہ
تو بچ گیا۔ افسوس کہ میں اپنے دل کو تیری طرف سے نہیں پھیر سکی۔ چند روز کے لیے
یہاں آ کر مجھے اور بے تاب کر گیا۔"(۱۸)

زمرد کا کردار اس وقت پھیکا، بے جان، مصنوعی اور بناوٹی لگتا ہے جب وہ قلعہ الموت میں بلغان خاتون اور حسین کے ساتھ خفیہ ملاقات میں بلاجواز ہنستی، مسکراتی اور ادائیں دکھاتی ہے۔ چونکہ ان کی ملاقات انتہائی خوف کے سائے میں ہوئی تھی لہذا فطری تقاضا یہ تھا کہ بلغان خاتون نہ سہی کہ وہ جنگجو شہزادی تھی لیکن حسین اور بطور خاص زمرد کے افعال و اعمال سے وحشت، بدحواسی، خوف اور بے قراری کے ساتھ ساتھ انتہای حزم و احتیاط کا اظہار ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ان کے رویے سے بے خوفی اور بے تکلفی ٹپکی پڑتی ہے۔ فطرت کے خلاف محسوس ہوتی ہے۔ پھر زمرد کا یہ کہنا کہ امام قائم قیامت رکن الدین خورشاہ کی شدید تمنا کے باوجود وہ اسے حاصل نہیں کر پایا اور یہ کہ اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے اس نے بہت مزاحمت کی۔ زمرد کے جاندار کردار کو گویا موت کے گھاٹے اتار دیتا ہے۔ جس مطلق العنانی، نظم و ضبط، وحشت، بربریت، دہشت اور خورشاہ کے جاہ و جلال کا دور دورہ تھا، اس میں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سلطنت کے مالک اور امام قائم قیامت رکن الدین خورشاہ کا دل زمرد پر آجائے اور وہ اپنی نسوانی مزاحمت سے اس کے شر سے بچ جائے۔ شرر اگر زمرد کے اس پہلو کو بیان نہ کرتے تو اس کردار کا مجموعی تاثر اسے اعلی درجے کے کرداروں میں شمار کرتا۔ اس فروگزاشت کے ساتھ بھی سید وقار عظیم اس کردار کی تعریف کرتے ہوے لکھتے ہیں:

"زمرد کے کردار میں حسین سے زیادہ کشش ہے۔ محض اس کے حسین و جمال کی وجہ
سے نہیں بلکہ مستقل مزاجی، دور اندیشی، مصلحت بینی، ضبط، تحمل، احتیاط اور پاک دامنی
کے ان اوصاف کی بنا پر جو اس کے مزاج کی نسوانی نزاکت اور اس کے جذبہ محبت کی
پاکیزگی اور صداقت کے گہرے رنگ کے نیچے دب جانے کی بجائے برابر اس کے
قول و فعل سے نمایاں ہوتے ہیں۔"(۱۹)

شیخ شریف علی وجودی:

شیخ شریف علی وجودی "فردوس بریں" کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل ہے۔ یہ نہ صرف شرر بلکہ اُردو ناول کے چند بہترین کرداروں میں شمار ہوتا ہے۔ شیخ شریف علی وجودی محض کردار نہیں بلکہ ایک طلسم ہوش ربا ہے۔ یہ وہ آفتاب ہے جس سے دیگر تمام کردار روشنی حاصل کرتے ہیں۔ علی وجودی کوہ جودی کے مہیب غار کی مانند پر اسرار ہے۔ اس ناول کی رونق اور زندگی اس کردار کے افعال و اعمال سے وجود پذیر ہے۔ فرقہ باطنیہ کے مقاصد اور تحریک کے استحکام کے لیے وہ نوجوانوں کو مشینوں میں تبدیل کرنے والا انجنیئر ہے۔ ابلیسیت کے ہر پہلو اور ہر زاویے سے بخوبی آگاہ اور شیطانی صفات میں خود کفیل ہے۔ وہ معصوم نوجوانوں کو اپنے زہد، علم اور جلال سے مرعوب اور فردوس بریں کے شوق سے سرشار کر کے ان سے دہشت گردی کی وارداتیں کرواتا ہے۔

اس کے تربیت یافتہ فدائی ہر اس عالم وفقیہ اور شاہ و وزیر کو قتل کر دیتے ہیں جو فرقہ باطنیہ پر انگلیاں اُٹھاتا ہے۔ اگر اسے فرقہ باطنیہ کی دہشت گرد تحریک کا دماغ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ ناول میں شیخ شریف علی وجودی کس پہلی بار تذکرہ زمرد کے خط میں سامنے آتا ہے جب وہ حسین کو چلہ کشی کے بعد حلب کی مسجد میں شیخ سے ملاقات کی ہدایت کرتی ہے اور پھر جب حسین اس سے ملتا ہے تو اس کی شخصیت سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کا اچانک سے حسین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہنا کہ تم میری تلاش میں آئے ہو؟ حسین کو خود سپردگی کے احساس سے دوچار کر دیتا ہے۔ شیخ شریف علی وجودی شاطر، عیار اور مکار ذات ہے۔ علوم ظاہری و باطنی پر کامل دستگاہ رکھتا ہے۔ جہاں دیدہ، مہم جو، جنگجو، ہوشیار، نکتہ شناس، دقیقہ رس، اور سب سے بڑھ کر ایسا اداکار ہے جو علم النفس کے جملہ پہلوؤں کا رمز شناس ہے۔ علی عباسی حسینی لکھتے ہیں:

> "یہ پر اسرار شخص ان تمام اوصاف سے متصف ہے جو اس طرح کے خفیہ اور خونخوار
>
> مذہب کی قیادت کے لیے ضروری ہیں۔ وہ اپنے ارتقا اپنے علم اور اپنے لامحدود
>
> اختیارات کا سکہ حسین کے دل پر آہستہ آہستہ بٹھاتا ہے۔"(۲۰)

شیخ شریف علی وجودی کا کردار بھلے متحرک، فعال اور زندگی سے مملو ہے لیکن بہر حال یہ کردار ڈھلا ڈھلایا ہے۔ حسین کے کردار کی طرح ارتقا پذیر نہیں۔ جس شخصیت کے ساتھ ناول میں آتا ہے آخر تک اس سانچے میں ڈھلا رہتا ہے۔ اپنے محدود قالب میں یہ قطرہ سمندر سی گہرائی، وسعت اور بے قراری کا حامل ہے۔ اپنے شکار کو اس کی نفسیات کے تناظر میں مطیع کرنے کے ہنر سے آشنا ہے۔ وہ حسین کو کہیں منطق، استدلال اور روحانی کمالات سے مرعوب کرتا ہے تو کہیں اپنی ذات کے اسرار، رعب دہشت اور جلال سے ڈھب پر لاتا ہے۔ ہر دو حوالوں میں اس کی اساسی اہمیت کی حامل ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> "شیخ شریف علی وجودی کے الفاظ کی یہ طاقت ہے جو مثبت سے انسان کو منفی کی جانب
>
> لڑھکا دے اور انسان کے اندر کے سنگ دلانہ اور ابلیسیانہ خلیے متحرک کر دے۔"(۲۱)

ایک اور جگہ پر وہ الفاظ کے جادو کے ساتھ اس کی سفاکیت کی بھی شامل کرتے ہوے لکھتے ہیں:

"اس کی شقی القلبی اور اس کے الفاظ کا جادو کہ سننے والا مغلوب ہو کر اس کے سامنے
ایک بے جان آلہ بن جا بلکہ مٹی کے ریزہ میں تبدیل ہو جاے بلکہ اس کا ذہن ہی
مفلوج کر کے اسے بربریت کا پیکر بنا دے۔"(۲۲)

پہلی ملاقات میں جب حسین سوال در سوال سے علی وجودی کو عاجز کر دیتا ہے۔ تو وہ حسین کو ڈانٹتے ہوئے پر جلال لہجے میں قرآنی آیت "لا تجسسوا" سنا کر خاموش کرا دیتا ہے۔ جب وہ غیب دان بن کر اپنی سحر بیانی سے حسین کے ماضی کو بیان کرتا ہے تو حسین کی شخصیت پگھل کر فنافی الشیخ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ حسین کے قدم قدم پر سوالات سے اکتا کر وہ موسی اور خضر علی اسلام کے واقع کو بیان کر کے سمجھاتا ہے کہ ہر ظاہر کا باطن ہے اور نتائج باطن کے حوالے سے مرتب ہوتے ہیں۔ شیخ علی وجودی علوم ظاہری و باطنی کا غواص ہے۔ انسانی نفسیات کی گرہوں کو کھولنا جانتا ہے، علم الکلام اور منطق کا عالم اور سحر کار مقرر ہے۔ اپنے ٹھوس دلال سے حسین کے شکوک و شبہات غارت کر کے گویا اس کا سافٹ ویئر ہی تبدیل کر دیتا ہے۔ تقریبا ایک سال تک شیخ کی صحبت میں رہ کر حسین کی ذات ایک کچھ پتلی میں ڈھل چکی ہے۔ اس نے حسین کے فکر و خیال کے پردے کو بالکل کورے کاغذ کی طرح صاف کر دیا۔ اس کی مدلل، منطق، فلسفیانہ گفتگو اور معرفت کے مباحث نے حسین کے علم خام کو تہس نہس کر دیا۔ روایتی قاضیوں، عالموں اور مفتیوں کے علوم ظاہری کو یکسر مسترد کر کے حسین کے عقاید کو از سر نو تعمیر کرتا ہے۔

"سن! مرید بعینہ ایک تلوار ہے جس کے قبضے پر شیخ کا ہاتھ ہے اور تو سمجھ سکتا ہے کہ
تلوار پڑے اور جس کا سر چاہے اڑا دے مگر الزام یا نسبت تلوار سے نہیں کی جا
سکتی بلکہ یہ چیزیں اسی کی طرف منسوب ہوتی ہیں جو تلوار کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہو۔ یقین
ہے اب تیرا شک رفع ہو گیا ہو گا کہ مرید کے افعال کا باطنی پہلو شیخ کی نیت سے
متعلق ہے نہ کہ خود مرید کے ارادے سے۔"(۲۳)

شیخ علی وجودی کو نو آموز اور نوجوانوں کو اپنے عقائد کے سانچے میں ڈھالنے کا فن آتا ہے۔ اس کے طرز استدلال سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ شیخ وجودی کی شخصیت ہی کا یہ جادو ہے شیخ کی صحبت میں رہتے رہتے کچھ دیر کے لیے ہی سہی زمرد کی تصویر کے رنگ بھی پھیکے اور مدھم پڑ گے۔

"اس علم غیب اور اس مدلل تقریر نے حسین کو شیخ علی وجودی کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ
اس کی نظر میں سوائے شیخ کے اور کسی چیز کی ہستی نہ تھی۔ اس کے کانوں میں ہر وقت

شیخ کی آواز گونجتی، اس کی آنکھوں کے سامنے ہر گھڑی شیخ کی تصویر پھرتی اور اس کے
دل میں ہر لحظہ شیخ کے احکام کو انتظار رہتا۔ زمرد کی تصویر بھی اب اس طرح ہمیشہ پیش
نظر نہ تھی۔"(۲۴)

شیخ وجودی اپنے مقصد میں سر تاپا غرق ہے۔ وہ نفسی کشی کی ریاضتوں سے گزر کر آہنی عزم و ارادے اور ساحر شخصیت کا مالک بن چکا ہے۔ ہر قسم کے حالات سے عہدہ برابر ہونے کی صفت سے متصف ہے۔ جہاں کوئی مرید اس کے دلائل و براہین سے قائل نہیں ہوتا وہاں اپنے شخصی رعب و جلال اور وحشت و ہیبت سے مخاطب کی ذات کو تحلیل کر کے بے دست و پا کر دیتا ہے۔

"حسین کا یہ جواب سنتے ہی شیخ کو جلال آ گیا۔ منہ میں کف بھر آیا۔ آنکھیں سرخ ہو
گئیں۔ وہ جوش میں آ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حسین مارے خوف کر سر سے پاوں
تک کانپ گیا۔"(۲۵)

شیخ علی وجودی اپنے مریدوں کو قائل کرنے کے لیے اپنی ذات کی طرح پیچیدہ اور مبہم گفتگو کرتا ہے۔ وہ ایک آن میں ملا اعلی تک پہنچ جاتا ہے۔ ادنی توجہ قلبی سے رموز ربانی اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ زمانہ سازی میں ید طولی رکھتا ہے (۲۶) اس قدر گہرا شخص ہے کہ مدتوں ساتھ رہنے والے اس کی اصلیت سے بے خبر رہتے ہیں۔ اس قدر ٹھوس اور مستحکم سانچے کا ڈھلا ہوا کردار ہے کہ ہلاکو خان کے حملے کے وقت بھی حسین کو اپنی شخصیت کے رعب میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ مچالی اور یک رُخا کردار ہوتے ہوے بھی شیخ علی وجودی ایک یادگار کردار ہے۔ ڈاکٹر محمد عظیم اللہ لکھتے ہیں:

"یہ اردو ناول کے چند لافانی کرداروں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ شیخ علی وجودی کی
گفتگو، حرکات و سکنات، غیظ و غضب اور علمی تشریحات ان سب میں کامل ہم آہنگی
ہے اس کا مصنوعی تقدس، اس کی علمیت اور ہمہ دانی اور اس کا جلال ہر چیز فنکارانہ
ہے۔ کمال یہ ہے کے اس کے ہاتھوں میں پڑ کر ہر مرید بے جان آلہ بن جاتا
ہے۔"(۲۷)

شیخ علی وجودی کی شخصیت اتنی گہری اور ہمہ پہلو ہے کہ اس نے شرر کے فن کردار نگاری کو نہ صرف بے جان معروضیت سے فعال اور پر اسرار اور دلچسپ اور پر کشش راہ دکھائی بلکہ کردار پر اس کے ماحول کے اثرات بھی دکھائے۔ فردوس بریں کے جملہ کرداروں اور بطور خاص شیخ علی وجودی کے حوالے سے شرر محض یہ نہیں بتاتے کہ کردار کیسا دکھائی دیتا ہے۔ کیا کرتا اور کیا بولتا ہے بلکہ اس کے ماحول، مقصد اور نقطہ نظر کے سانچے میں ڈھلی ذات کی ظاہری باطنی کائنات کی بھی بے نقاب کیا ہے۔ قلعہ الموت کی پر اسراریت اور ٹھوس نظم و ضبط نے شیخ علی وجودی کی ذات کو بھی پر اسرار اور

نظم وضبط کی علمی مثال بنادیا۔ وہ شعور اور احساس کے امتزاج سے مشکل ترین مقامات سے گزرنے والا کردار ہے۔ شیخ علی وجودی کی شخصی تفہیم کے لیے اس کے اعمال کا ظاہری پہلو عام شخص کو بلخصوص اور خاص مرید کو بلعموم گمراہ کرتا ہے۔ اس کی ذات فرقہ باطنیہ کے اساسی عقیدے پر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ نتائج ہمیشہ باطن میں مخفی ہوتے ہیں۔(۲۸) کی روشن اور عملی مثال ہے۔ وہ جو کرتا، کہتا اور نظر آتا ہے۔ اس ظاہری عمل کا ایک باطن بھی ہے اور وہی اصل اور حقیقت ہے۔ وہ مکمل جملے میں ادھوری بات کرتا ہے۔ شرر نے حسین کے نام زمرد کے خط میں شیخ علی وجودی کی صورت کشی کرتے ہوے اس ظاہری و باطنی تضاد کا ہلکا اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"اس نورستان میں اگرچہ وہ اور کسی سے یاد کیا جاتا ہے مگر اس عالم عناصر میں
اس کا نام شریف علی وجودی ہے۔ یہ شخص اگرچہ بالکل منکسرانہ مزاج وضع کیے نظر آئے
گا مگر اس کی آنکھوں سے ریاضت اور نفس کشی اور جذبات روحانی زیادہ ہونے کی وجہ
سے شعلے نکلتے ہوں گے۔"(۲۹)

ای۔ ایم۔ فورسٹر کے لفظوں میں یہ فلیٹ نہیں مکمل کردار ہے۔ شیخ علی وجودی شرر کے ان معدودے چند کرداروں میں شامل ہے جن پر اس نے اپنی رائے مسلط نہیں کی نہ ہی سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ علی وجودی کی شخصیت اپنے اظہار کے راستے خود تراشی ہے۔ یہاں شرر کا فن کردار نگاری انسان کی گہری نفسیاتی بصیرتوں کا امین دکھائی دیتا ہے۔

ناول کے آخر میں جب ملاء اعلی کی شخصیت سے پردہ واضح ہو جاتی ہے اور ہلاکو خان اور بلغان خاتون کے شقی القلب اور سفاک فوجی قتل عام میں مصروف ہوتے ہیں تو اس وقت بھی شیخ علی وجودی اپنے اعصاب پر قابو رکھ کر اسی جاہ وجلال اور پر اعتماد لہجے میں فریب دینے کی آخری کوشش کرتا ہے اور ناکامی کی

صورت میں پہلی اور آخری بار کمزور، ناتواں، بے بس اور رحم کی درخواست کرتا نظر آتا ہے۔ سید وقار عظیم اس پس منظر میں لکھتے ہیں:

"اور یوں خیر شر پر آیا لیکن مغلوب ہونے سے پہلے شرر نے یہ دکھا دیا کہ خیر کی قوتیں اس کے سامنے
کتنی ہیچ، کتنی ناکارہ اور کتنی طفلانہ ہیں۔ اگر اتفاقات خیر کا ساتھ نہ دیں تو شرر کو مغلوب کرنا آسان
نہیں۔ شیخ علی وجودی کی شخصیت اور اس کی سیرت ایک فتنہ ہے حسین زیر نہ کر سکتا تھا۔ اگر بہت سی
قوتیں اس کی کمک کو نہ آتیں اور اس فتنے کو فتنہ بنانے میں شرر نے بڑی فنی چابک دستی دکھائی۔"(۳۰)

فردوس بریں کے زریعے اردو ناول میں فن کردار نگاری ایک قدم آگے بڑھتا نظر آتا ہے۔ شیخ نجم الدین نیشاپوری کی پانچ سالہ شاگردی اور مریدی سے تعمیر شدہ ٹھوس اور مستحکم عقائد کی حامل شخصیت کا مالک حسین ناول میں پیش آنے والے حادثات وواقعات اور علی وجودی کی تعمیر شدہ ٹھوس اور مستحکم عقائد کی حامل شخصیت کا مالک حسین ناول میں پیش آنے والے حادثات وواقعات اور علی وجودی کی تعلیمات کے نتیجے میں ذہنی وجذباتی الجھنوں کا شکار

ہو جاتا ہے۔ دونوں ہی اس ناول کے متوازی مرکزی کردار ہیں شرر نے دونوں کرداروں کی تعمیر و تشکیل میں دونوں متحرک، جان دار اور زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد سعید۔ مرزا، شرر و سرشار، مشمولہ مخزن، جلد ۱۲، شمارہ ۳، دسمبر ۱۹۰۴ء ص۔ ۴۶

۲۔ فیض احمد فیض۔ میزان۔ لاہور: ناشرین، ۱۹۶۲ء ص۔ ۲۳۵

۳۔ علی احمد فاطمی۔ ڈاکٹر۔ عبدالحلیم شرر: بحیثیت ناول نگار، لکھنو: نصرت پبلشرز، ۱۹۸۶ء۔ ص۔ ۴۲۴

۴۔ ممتاز منگلوری۔ ڈاکٹر۔ (مرتب) ملک العزیز ورجنا۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، س ن۔ ص۔ ۳۹

۵۔ عبدلحلیم شرر۔ فردوس بریں۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔ ص ۱۷

۶۔ ایضاً۔ ص ۲۰

۷۔ ایضاً۔ ص ۲۴

۸۔ ایضاً۔ ص ۲۶

۹۔ ایضاً۔ ص: ۲۹

۱۰۔ ممتاز منگلوری، ڈاکٹر۔ شرر کے تاریخی ناول اور ان کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۸ء۔ ص ۳۸۸

۱۱۔ سلیم اختر۔ ڈاکٹر۔ داستان اور ناول: تنقیدی مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء۔ ص ۱۴

۱۲۔ عبدلحلیم شرر۔ فردوس بریں۔ ص ۴۰۔۴۱

۱۳۔ ایضاً۔ ص: ۸۱

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۸۱

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۱۱

۱۶۔ ایضاً۔ ص ۵۹

۱۷۔ ایضاً۔ ص ۵۹

۱۸۔ ایضاً۔ ص ۸۲

۱۹۔ وقار عظیم۔ سید (مرتب)، فردوس بریں۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۴۷ء۔ ص ۱۹

۲۰۔ علی عباس حسینی۔ اردو ناول کی تاریخ اور تنقید۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس، ۱۹۸۷ء

۲۱۔ ممتاز احمد خان۔ ڈاکٹر۔ اردو ناول (کرداروں کا حیرت کدہ)۔ کراچی: فیصل بک، ۱۹۱۵ء۔ ص ۵۵

۲۲۔ ایضاً۔ ص ۳۰

۲۳۔ عبد الحلیم شرر۔ فردوس بریں۔ ص ۲۹

۲۴۔ ایضاً۔ ص ۳۰

۲۵۔ ایضاً۔ ص ۴۴

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ محمد عظیم اللہ، ڈاکٹر۔ اردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات۔ لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۵ء۔ ص ۱۳۷

۲۸۔ عبد الحلیم شرر۔ فردوس بریں۔ ص ۲۸

۲۹۔ ایضاً۔ ص ۲۲

۳۰۔ وقار عظیم، پرفیسر سید۔ داستان سے افسانے تک۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔ ص ۱۴۰